ساجد حمید

حدیث عہد بہ عہد

[یہ مصنف کا کوئی باقاعدہ مضمون نہیں ہے، بلکہ یہ ایک لیکچر کا خاکہ (outline) ہے جو شرکا کے مطالبہ پر لکھا گیا۔ اسے استفادۂ عام کے لیے یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مقام نبوت

ایک طرف:

۱۔ دین کا تنہا ماخذ[1] اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے،

۲۔ یہ صرف انھی کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم (mankind) کو ان کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی،

۳۔ یہ صرف انھی کا مقام ہے کہ اپنے قول[2] و فعل[3] اور تقریر[4] و تصویب[5] سے وہ جس چیز کو دین کہہ دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین ہو گا۔

دوسری طرف:

۱۔ ہر مسلمان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین[6] کو ماننا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ لہٰذا

۱۔ only source of divine-religion

۲۔ verbal expression, saying

۳۔ practice or act

۴۔ tacit approvals

۵۔ verbal approvals

۲۔امت کا ہر وہ شخص جس کے سینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان کی رمق[۷] بھی باقی ہے، وہ یہی مانتا ہے، اور اسے یہی ماننا چاہیے کہ دین کے معاملے میں آپ کے ہر حکم کو ماننا مسلمان ہونے کے لیے لازم ہے۔ آج تک اس بات پر کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوا ہے۔

اختلاف صرف اور صرف اس بات پر ہوا ہے کہ

۱۔ایک فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا قول رسول (saying) واقعی آپ کا فرمان ہے بھی یا نہیں؟ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قول کی نسبت[۸] کے ثبوت[۹] میں اختلاف ہوا ہے)۔

۲۔اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ آپ ہی کا فرمان ہے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ ثبوت کس درجے کا ہے؟ (یعنی اس کا ثبوت اتنا قوی ہے کہ وہ یقینی درجے کو پالے[۱۰] یا وہ صرف ظنی درجے[۱۱] کا ہے)۔

۳۔اگر کوئی بات ظنی درجے پر ثابت ہوتی ہے تو اسے دین کا حصہ بنایا جائے یا نہیں؟ یہ بات واضح رہے کہ یقینی درجے پر ثابت ہو کر دین بننے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ ظنی الثبوت[۱۲] کا کیا کیا جائے؟ واضح رہے کہ ہمارا موضوع ثبوت مآخذ ہے، یہاں فہم اور اس کا اختلاف زیر بحث نہیں ہے۔ یقیناً امت میں فہم کا اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن وہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۶۔ commands and sayings

۷۔ mild traces

۸۔ act of attributing a hadith to the Holy Prophet

۹۔ ثبوت کے طریقے: ایک طریقہ تواتر ہے، جس کو پوری امت ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل (transmit) کرتی ہے، اور اس میں منتقل کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ خطا، بھول چوک اور وہم کا امکان نہیں رہتا۔ اسے بالاتفاق یقینی مانا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ خبر واحد ہے (اسے حدیث بھی کہا جاتا ہے)، یعنی ایک سے چار، ایک سے دس یا ایک سے ستر تک کی تعداد کا ایک بات کو منتقل کرنا۔ اسے جمہور امت (majority) ظنی مانتی ہے اور اہل ظاہر (a sect) اور اہل حدیث اسے یقینی مانتے ہیں۔ ان طریقوں سے ثابت ہونے والے دین کے مآخذ یوں ہیں:

۱۔تواتر سے ملنے والے = قرآن، سنت متواترہ = ثبوت: یقینی۔

۲۔خبر واحد سے ملنے والی = حدیث = ثبوت: ظنی۔

۱۰۔ having 100 percent certitude

۱۱۔ having a 51 to 99 percent certitude

۱۲۔ a proof of a satisfactory level, but not providing a 100 % certitude

اس اختلاف کی وجہ

اگر کسی بات کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی سطح پر ثابت ہو جاتی ہے تو اس کو دین میں شامل کرنا درست ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ لیکن جب کوئی بات ظنی ہوتی ہے تو کیا اس کو دین کا حصہ بنایا جائے؟[13] اختلاف اسی میں ہے۔ امت کا اصلاً مسلک[14] یہی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ کچھ نے اس کا صریح انکار کیا اور کچھ نے اسے مانا، مگر مشروط طریقے پر۔ ان کے قبول کرنے کے شرائط[15] و دلائل آگے آتے ہیں۔

اس انکار یا قبولیت کے لیے شرائط لگانے کی وجہ یہ تھی کہ جو چیز ظن ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ

وہ غلط ہو سکتی ہے،

وہ جھوٹ یا افترا[16] ہو سکتی ہے،

وہ کسی راوی کا وہم ہو سکتی ہے۔

اس لیے اسے دین میں داخل کرنا کسی راوی[17] کی بات کو دین میں داخل کرنے کے مترادف[18] ہے۔ اگر ایسا کر دیا جائے تو امام شاطبی اور امام ابن حزم کے الفاظ میں شریعت معصوم (pure) نہیں رہے گی۔

ساری امت اصولی مسائل میں حدیث کے معاملے میں پچھلی چودہ صدیوں سے انھی نکات میں اختلاف سے نبرد آزما[19] رہی ہے۔ آگے ہم اسی کی تفصیل کریں گے۔

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ابن حزم کی ''الاحکام'' اور شاطبی کی ''موافقات''، امام شافعی کی ''الرسالہ''، جصاص کی ''فصول فی الاصول'' اور آمدی کی الاحکام۔ ابن حزم کی بحث بہت تفصیلی ہے، ان کی کتاب کی جلد ۱ کے صفحہ ۲۹۲ سے آگے اسی موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ خطیب بغدادی کی الکفایہ: ص ۴۳۲

۱۴۔ point of view

۱۵۔ مثلاً یہ کہ روایت ثقہ راویوں سے ہو، قرآن و سنت، عقل، فعل الجاری کے خلاف نہ ہو، اور احکام سے متعلق ہو، عقیدہ و علم سے متعلق نہ ہو وغیرہ۔

۱۶۔ fabrication

۱۷۔ reporter of a hadith

۱۸۔ equal

۱۹۔ to be in contest

عہد[20] صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عہد دو حصوں میں منقسم[21] ہے:

۱۔ عہد نبوی میں،

۲۔ عہد نبوی کے بعد۔

۱۔ عہد نبوی میں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں (یعنی آپ کی زندگی میں) دین کے معاملے میں جو کچھ آپ فرماتے، سب کے لیے واجب الاطاعت تھا، اس کا انکار نبوت کا انکار بن سکتا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم صرف یہ فرق کرتے تھے کہ آیا یہ بات آپ ذاتی حیثیت[22] میں کہہ رہے ہیں یا رسول کی حیثیت سے؟[23] اس لیے وہ پوچھ لیتے تھے کہ آیا یہ آپ اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں یا اپنی طرف سے۔

اس دور میں قرآن، سنت اور حدیث سب کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سننے کی وجہ سے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی، اگر کسی کو شک یا confusion بھی ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر دوبارہ پوچھ سکتا تھا۔

۲۔ عہد نبوی کے بعد

آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد معاملہ یوں نہیں رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سنائی گئی ہر بات کو ایسے ہی نہیں مانا گیا، بلکہ صحابہ کرام نے آپس میں ایک دوسرے سے سننے کے باوجود بھی تحقیق و تدقیق کی ضرورت محسوس کی۔ اس کے لیے درج ذیل طریقے صحابہ کرام میں نظر آتے ہیں۔

۱۔ گواہی لے کر یہ جاننا کہ واقعی آپ نے ایسا فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تین دفعہ دروازہ کھٹکھٹانے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دوسرا گواہ لے کر آؤ۔[24] (تحقیق کا یہ طریقہ بعد میں روایت[25] کہلایا، اور علم

۲۰۔ era, time period

۲۱۔ divided

۲۲۔ as a mere a human, not as a prophet

۲۳۔ as a prophet

۲۴۔ بخاری، رقم ۶۲۴۵ غالباً اسی سے بعد میں امام شافعی نے ''الرسالہ'' میں قبول روایت میں دو گواہوں سے ثابت ہونے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رجال[26] کا عظیم علم وجود میں آیا)۔

۲۔ قرآن پر پیش کرنا، مثلاً میت کو رونے والوں کے رونے سے عذاب ہونا[27] کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قرآن[28] کی روشنی میں رد کرنا، (یہ طریقہ بعد میں درایت[29] کہلایا)۔

والے حکم پر عمل کا استدلال اختیار کیا۔

۲۵۔ rules of authentic narration

۲۶۔ A Muslim discipline regarding the judgment of a hadith-narrator, whether he qualifies to be considered a reliable/trustworthy reporter or not

۲۷۔ بخاری، رقم ۱۲۸۸۔

۲۸۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی (الانعام ۶:۱۶۴) کی روشنی میں، یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۲۹۔ قرآن، سنت متواترہ، مسلمات عقل اور ثابت شدہ حقائق جو تواتر یا مشاہدے سے ثابت ہوں، کی روشنی میں خبر واحد کے مندرجات کو رد و قبول کے امتحان سے گزارنا۔ اصول الفقہ کو بھی علم درایت کہا جاتا ہے۔ علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ''الکفایہ'' میں ان اصولوں کو یوں بیان کیا ہے:

خبر الواحد لا یقبل فی شیء من أبواب الدین المأخوذ علی المکلفین العلم بها والقطع علیها والعلة فی ذلك أنه: إذا لم یعلم ان الخبر قول رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم کان أبعد من العلم بمضمونه فأما ما عدا ذلك من الاحکام التی لم یوجب علینا العلم بان النبی صلی اللّٰه علیه و سلم قررها وأخبر عن اللّٰه عز و جل بها فان خبر الواحد فیها مقبول والعمل به واجب ... ولا یقبل خبر الواحد فی منافاة حکم العقل وحکم القرآن الثابت المحکم والسنة المعلومة والفعل الجاری مجری السنة کل دلیل مقطوع به (۴۳۲)

''خبر واحد دین کے ان موضوعات میں قبول نہیں کی جائے گی جن میں امت کو یقینی علم اور قطعیت کا مکلّف کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز میں یہ بات ہی قطعی نہ ہو کہ یہ خبر قول رسول ہے تو وہ اپنے مضمون میں تو اور بھی اس مقام سے بعید تر ہے کہ اسے علم قرار دیا جائے۔ چنانچہ دین کے ان موضوعات کے سوا جو چیزیں احکام سے متعلق ہیں، جن میں علم کا وجوب نہیں ہے، اور وہ آپ ہی نے مقرر کی ہوں، اور اللہ ہی کی طرف سے ہمیں آگاہ کیا ہو، ان موضوعات میں خبر واحد قبول کی جائے گی، اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ ... خبر واحد اس وقت بھی قبول نہیں کی جائے گی، جب وہ عقل کے فیصلے کے منافی ہو، قرآن کے محکم فیصلے کے منافی ہو، اور معلوم و معروف سنت کے منافی ہو یا اس عمل کے منافی ہو جو سنت ہی کی طرح جاری و ساری ہو، گویا جو کسی بھی قطعی دلیل کے منافی ہو (قبول نہیں کی جائے گی)۔''

۳۔سنت جاریہ یا معلوم ومعروف متفق علیہ چیزوں پر پیش کر کے رد وقبول کرنا۔مثلاً چولہے پر پکی چیز سے وضو کا ٹوٹنا[۳۰] کو حضرت عروہ کے بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس اصول پر رد کر دیا کہ آپ کا ایک عمومی عمل جس پر سب لوگ عمل کرتے ہیں اور پانی گرم کر کے وضو کرتے ہیں، اس کی رو سے یہ روایت کمزور ہے لہٰذا انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا، (یہ طریقہ بھی درایت کہلایا)۔

۴۔عقل پر پیش کرنا۔جب سیدہ کے سامنے یہ روایت پیش کی گئی کہ عورتوں اور کتوں کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو سیدہ نے کہا کہ تم نے ہمیں ان جانوروں جیسا بنا دیا[۳۱]، (یہ طریقہ بھی درایت کہلایا)۔

خلفاے راشدین اور حفاظت حدیث

۱۔اخبار آحاد (حدیث) کو عہد نبوی ہی کی طرح دور خلفاے راشدین میں بھی محفوظ کرنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نظر نہیں آتی، حالاں کہ اگر حفاظت دین کا انحصار اس پر تھا تو ایسا ضرور ہونا چاہیے تھا، بلکہ بعض مواقع پر جمع کردہ مواد کو ضائع کرنے کا حکم دیا گیا[۳۲]۔

۲۔البتہ خلفاے راشدین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے گئے فیصلوں (قضا) کی تلاش رہتی تھی۔ایسا چند مقدمات میں ہوا ہے۔

۳۔مقدمات ہی کے معاملے میں[۳۳] یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ مقدمات کے فیصلوں کے لیے چار چیزوں کو

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۳۰؎ مسلم، رقم ۳۵۳۔

۳۱؎ بخاری، رقم ۵۱۱ واضح رہے کہ اس حدیث میں دونوں استدلال اختیار کیے گئے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی عمل سے اور عقل سے۔جب انھوں نے یہ کہا کہ تم نے ہمیں کتوں کی طرح بنا دیا ہے، تو یہ عقلی استدلال ہے۔روایت کے الفاظ یوں ہیں: عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ، فَقَالُوا: يَقْطَعُهَا الكَلْبُ وَالحِمَارُ وَالمَرْأَةُ، قَالَتْ :لَقَدْ جَعَلْتُمُونَا كِلَابًا، لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي لَبَيْنَهُ وَبَيْنَ القِبْلَةِ، وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيرِ، فَتَكُونُ لِيَ الحَاجَةُ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ، فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا وَعَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ۔

۳۲؎ تاریخ تشریع الاسلامی، ص ۴۵۔

۳۳؎ اس لیے کہ یہ اقوال حکمران صحابہ کے ہیں، اور انھوں نے یہ باتیں اپنے اپنے زمانے کے قاضیوں (judges) کو کہی تھیں۔دینی احکام کے بارے میں مجھے صحابہ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ملی کہ دین کی تلاش کے لیے بھی یہی بات کہتے

اہمیت دیتے:

۱۔قرآن میں دیکھا جائے،اس میں نہ ملے تو

ب۔نبی اکرم کے عمل وقول میں دیکھا جائے،اس میں نہ ملے تو

ج۔پہلے سے طے شدہ امور میں دیکھا جائے،اس میں نہ ملے تو

د۔خود قیاس[۳۴] کے اصول پر غور کیا جائے۔[۳۵]

عہد مابعد الصحابہ

ائمۂ فقہ

ثبوت کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والی چیزوں کو دو حصوں میں بانٹا گیا:

۱۔تواتر سے ملنے والی (قرآن اور سنت)،اس کو یقینی مانا گیا،اسے علم قرار دیا گیا۔

۲۔خبر واحد سے ملنے والی (حدیث)،اس کو بالاتفاق ظنی مانا گیا،اسے علم نہیں،بلکہ خبر قرار دیا گیا۔[۳۶]

قرآن مجید،اور سنت متواترہ سے (یعنی تواتر سے) ملنے والے دین کو لازماً ماننا جائے گا،اس کا منکر کافر ہوگا۔

خبر واحد سے ملنے والے دین کو ماننا لازم نہیں،دلیل کی بنا پر انکار جائز ہے۔اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

دین یقینی ہے،اس میں ظن کو داخل نہیں کیا جائے گا۔اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر انکار حدیث کا پہلا الزام لگا۔[۳۷]

یہ نظریات اہل ظاہر اور محدثین کے سوا اس وقت کی امت کے بڑے حصے (main-stream) کے تھے۔

ہوں جو فیصلوں کے لیے اوپر کہی گئی ہے۔

۳۴۔ Analogy: a juristic instrument to derive law on the bases of cause, like wine is prohibited due to intoxication; so every intoxicant is prohibited

۳۵۔ یہ باتیں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوبکر کے سوا باقی چاروں حکمران صحابہ (حضرت عمر،عثمان،علی اور معاویہ رضی اللہ عنہم) سے ملتی ہیں۔حضرت معاذ کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی ایک مکالمہ ریکارڈ پر ہے۔

۳۶۔ خبر اور علم میں فرق ہے۔علم یقینی اور غلطی سے پاک ہے،جبکہ خبر کے سچا اور جھوٹا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

۳۷۔ کیونکہ وہ مجمع علیہ چیز (سنت متواترہ) سے مخالفت پر حدیث کو رد کرتے تھے،حدیث کو صرف سند کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تھے،بلکہ اپنی مجتہدانہ رائے کی بنا پر قبول کرتے تھے۔دیکھیے: التمہید ۱۴/ ۱۳۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام شافعی (ولادت 135ھ)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فقہا کے اس فکر کے دھارے کہ ظن کو دین میں شامل نہیں کیا جائے، کو تبدیل کیا۔[۳۸] ان کے زمانے تک جمع حدیث کا کام شروع ہو کر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، اور سند کے اصولوں[۳۹] کا کام اپنے ابتدائی مراحل میں تھا۔

امام شافعی نے یہ نظریہ دیا کہ علم کے دو درجے ہیں: ایک یقینی دوسرا ظنی[۴۰] (یہاں تک وہ اپنے سے پہلے علما سے متفق ہیں)۔ لیکن انھوں نے ظن کو دین میں عملی معاملات میں شامل کیا۔[۴۱]

بہت سے دلائل میں سے ان کی حتمی دلیل یہ ہے کہ حدود کے معاملے میں دو گواہوں کی گواہی کے اصول پر ہم ظنی بات پر عمل کرتے ہیں، انھوں نے مثال دی کہ قاضی ایک قاتل کو صرف دو گواہوں کی گواہی پر سزاے موت دے دیتا ہے، اور یہ ثبوت ظنی درجے کا ہے۔ اگر قاضی سے پوچھیں کہ یہ قاتل واقعی (یعنی یقینی معنی میں) قاتل ہے؟ تو قاضی انکار کرے گا، وہ کہے گا کہ یہ ظاہری معنی[۴۲] میں ہے، جبکہ یہ اللہ و رسول ہی کا حکم ہے کہ دو گواہوں کی گواہی پر حدود نافذ کیے جائیں۔ اس لیے یہ بات مانی جائے کہ دو گواہوں کی گواہی پر حدیث کی بات پر بھی ہم عمل کریں، مگر عقیدہ نہیں بنائیں۔ جیسے ہم قتل اور اس پر دو گواہوں کی صورت میں کرتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

امام شافعی کے بعد

اگلی تمام صدیوں میں امام شافعی ہی کا نقطۂ نظر حکومت کرتا رہا ہے۔ احناف،[۴۳] مالکیہ[۴۴] اور شوافع،[۴۵] سب یہ مانتے ہیں

۳۸۔ امام شافعی نے ''الرسالہ'' کے صفحہ ۴۵۵ پر ان علما کے نام گنوائے ہیں جو ان سے پہلے یا ان کے زمانے کے ہیں اور خبر واحد کی حجیت کے قائل ہیں۔ امام شافعی نے اسے ناقابل تردید استدلال دیا ہے جس کی وجہ سے انھیں اس باب میں اولیت حاصل ہے۔

۳۹۔ A set of principles that deals with the status of chain of reporters

۴۰۔ الرسالہ ۳۵۷-۳۵۹۔ ان کی اپنی اصطلاحات یقینی کے لیے: 'احاطة الظاهر و الباطن'، اور ظنی کے لیے: 'احاطة الظاهر' کی ہیں۔

۴۱۔ الرسالہ ۳۵۹، ۴۶۱۔ امام صاحب نے صفحہ ۳۴ سے 'البيان الخامس' میں اجتہاد سے ثابت ہونے والے امور کو، جن میں اجماع اور قیاس شامل ہیں، ان کو بھی واجب العمل قرار دیا ہے۔ خاص طور سے دیکھیے: صفحہ ۳۹۔

۴۲۔ apparently

۴۳۔ followers of Imam Abu Hanifah (raa)

کہ خبر واحد پر عمل کیا جائے گا، اور محض اس کی بنیاد پر عقیدہ نہیں بنایا جائے گا۔

امام ابن حزم (۱۰۶۴ء) یا اہل ظاہر

ابن داؤد ظاہری کے اصولوں کی روشنی میں ابن حزم نے یہ نظریہ دیا کہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، اس لیے وہ یقیناً محفوظ ہے۔ لہٰذا ثقہ راویوں کے ذریعے سے ملنے والی حدیثیں، معجزانہ طور پر حفاظت الٰہی سے ہم تک پہنچی ہیں، لہٰذا وہ یقینی ہیں۔

استدلال[۴۶]

ابن حزم کے استدلال کے دو حصے ہیں:

۱۔ ان کے نزدیک شریعت معصوم ہے، یعنی خطا، تبدیلی اور ضائع ہونے سے پاک ہے۔ ان کے نزدیک دین صرف اور صرف قطعی ہونا چاہیے، وگرنہ اس کی حجت[۴۷] باقی نہیں رہے گی۔

۲۔ اور ظن کو دین میں داخل کرنا حرام ہے۔

اب اس بات کا لازمی تقاضا ہے کہ سارے کا سارا دین قطعی اور یقینی ہونا چاہیے، لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ قرآن اور سنت متواترہ یقینی ہیں، لیکن خبر واحد ظنی ہے۔

امام ابن حزم خبر واحد کو بھی یقینی بنانا چاہتے ہیں، وگرنہ ان کے اصول کے مطابق دین کی حجت باقی نہیں رہی گی، یا یہ ماننا پڑے گا کہ دین ضائع ہو گیا، اور ابن حزم اسے ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

لہٰذا انھوں نے یہ کہا کہ اگر میں تم لوگوں کو ایک ایسی دلیل بتا دوں جو ظنی کو یقینی بناتی ہے تو تمھیں اسے یقینی ماننا پڑے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ واقعۂ افک میں ایک طرف منافقین کا الزام تھا، اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی ذات کے حق میں گواہی تھی کہ میں پاک دامن ہوں، یہ دونوں باتیں ظنی تھیں۔ جب قرآن مجید میں براءت[۴۸] نازل

۴۴۔ followers of Imam Malik (raa)

۴۵۔ followers of Imam Shafi`e (raa)

۴۶۔ argumentation

۴۷۔ authoritative position

۴۸۔ innocence, guiltlessness

www.javedahmadghamidi.com

ہوئی کہ آپ پاک دامن ہیں اور منافقین جھوٹ بول رہے ہیں تو اس سے سیدہ عائشہ کی بات یقینی ہو گئی، اور منافقین کی بات یقیناً باطل قرار پائی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ظنی بات کی تصدیق اگر یقینی ذرائع سے ہو جائے تو اس سے وہ ظنی بات یقینی ہو جاتی ہے۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ اب میں آپ کو حدیث کے بارے میں قرآن کی ایسی ہی بات بتاتا ہوں، جیسی سیدہ کی براءت، جس سے یہ ظنی روایتیں یقینی ہو جائیں گی۔ ان کی یہ بات دو نکات پر مشتمل ہے:

پہلا نکتہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ. (الحجر ۱۵:۹) ''بے شک یہ (الذکر) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے 'اَلذِّکۡر' کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ تمام اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ 'اَلذِّکۡر' سے مراد وحی[۴۹] ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس لیے تمام وحی کی حفاظت ہونی چاہیے۔

دوسرا نکتہ

پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى. اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى. (النجم ۵۳:۳-۴) ''اور آپ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے، یہ تو وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔''

یعنی آپ کی ہر بات وحی ہے۔ اور آپ کی یہ ذمہ داری تھی:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ. (النحل ۱۶:۴۴) ''اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر واضح کر دو اور اس لیے کہ وہ غور و فکر کریں۔''

یعنی یہ کہ آپ لوگوں کے لیے تبین (وضاحت) کریں جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے۔

ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین دین کی تبیین ہیں، اور ان کی تمام باتیں وحی ہیں۔

لہٰذا ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین بھی وحی ہیں،

۴۹۔ revelation

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جب وہ وحی ہیں تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، جس کی ذمہ داری اللہ نے لی ہو، اس کی حفاظت میں نقص کیسے رہ سکتا ہے، لہٰذا ثقہ راویوں سے آنے والی ہر حدیث ویسے ہی محفوظ ہے، جیسے قرآن۔

لہٰذا ہر صحیح حدیث پر عمل بھی کیا جائے گا اور اس سے عقیدہ بھی بنایا جائے گا۔

امام شاطبی

امام شاطبی ایک اور راہ نکالتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سنت قرآن پر مبنی اور اس کے گرد گھومتی ہے، لہٰذا اسے قرآن کا سہارا حاصل ہے۔ ان کے نزدیک بھی شریعت معصوم ہے، یعنی خطا، تبدیلی اور ضائع ہونے سے پاک ہے۔[50] یعنی سنت کو قرآن مجید کی قطعیت کا سہارا حاصل ہے۔

سرسید احمد خان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وقار نبوت اور وقار اسلام پر حرف لانے والی تمام روایات کو، اگر ان کی تاویل بھی ناممکن ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا (مقالات سرسید[51])، لیکن ان کے کام کے نتیجے میں:

بعض لوگوں نے سرے سے ہی حدیث وسنت کا انکار کر دیا۔ چنانچہ اہل قرآن نامی مسلک وجود میں آیا، جو صرف قرآن ہی کو ماخذ دین مانتا ہے۔

بعض لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ انھوں نے اہل ظاہر کا مسلک اختیار کر لیا۔

مدرسۂ فراہی

مدرسۂ فراہی حدیث کی وہی حجت مانتا ہے جو امام شافعی سے اب تک جمہور امت میں چلی آ رہی ہے، انھی کی طرح یہ لوگ سنت متواترہ اور خبر آحاد کو حجت کے اعتبار سے مختلف مانتے ہیں۔ سنت متواترہ قرآن ہی کی طرح ثابت اور یقینی ہے، اس کا انکار کفر ہے، جبکہ حدیث کی حجیت ظاہری اور ظنی ہے۔ یہ وہی مسلک ہے جو بالاتفاق (اہل ظاہر

---

۵۰ دیکھیے: الموافقات ۲/ ۵۸۔

۵۱ سرسید کے ہاں اس بحث کا اصل محرک انگریز کے حملے کے مقابلے اسلام کا دفاع ہے۔ اپنے اس دفاعی کام سے پہلے، ان کے علمی ترکے میں وہ تحریریں موجود ہیں جس میں وہ قبولیت حدیث کے باب میں شاہ ولی اللہی مسلک کے قریب دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی جھلک بعد کی تحریروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

اور موجودہ اہل حدیث کے سوا) ساری امت کا متفقہ مسلک ہے، مدرسہ فراہی صرف اس بات میں مختلف ہے کہ خبر واحد (حدیث) کی قبولیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا مضمون قرآن اور سنت متواترہ کا سہارا پائے[۵۲]۔ اس کے بغیر اسے دین کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ ان کے سہارے کے بغیر خبر میں آیا ہوا علم ظن ہے، جسے دین بنانا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو چیز ظن ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ

وہ غلط ہو سکتی ہے،

وہ جھوٹ یا افترا ہو سکتی ہے،

وہ کسی راوی کا وہم ہو سکتی ہے۔

اس لیے اسے دین میں داخل کرنا کسی راوی کی بات کو دین میں داخل کرنے کے مترادف ہے۔

استاذ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی اس موقف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اِس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح اُن کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا اِس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔

دین لاریب، اِنھی دو صورتوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اُسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبارِ آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، اِن کے بارے میں یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ اِن کی تبلیغ و حفاظت کے لیے آپ نے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا، بلکہ سننے اور دیکھنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ چاہیں تو اِنھیں آگے پہنچائیں اور چاہیں تو نہ پہنچائیں، اس لیے دین میں اِن سے کسی عقیدہ و عمل کا اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ دین سے متعلق جو چیزیں ان میں آتی ہیں، وہ درحقیقت، قرآن و سنت میں محصور اِسی دین کی تفہیم و تبیین اور اِس پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا بیان ہیں۔ حدیث کا دائرہ یہی ہے۔ چنانچہ دین کی حیثیت سے اِس دائرے سے باہر کی کوئی چیز نہ حدیث ہو سکتی ہے اور نہ محض حدیث کی بنیاد پر اُسے قبول کیا جا سکتا ہے۔

اِس دائرے کے اندر، البتہ اس کی حجت ہر اُس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جو اِس کی صحت پر مطمئن ہو جانے کے بعد

۵۲؎ یعنی وہ اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن و سنت کی تفہیم و تبیین ہو یا ان پر عمل کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ قرار پاتی ہو۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا تقریر و تصویب کی حیثیت سے اسے قبول کر لیتا ہے۔ اِس سے انحراف پھر اُس کے لیے جائز نہیں رہتا، بلکہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ کا کوئی حکم یا فیصلہ اگر اِس میں بیان کیا گیا ہے تو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔'' (میزان ۱۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com